

نذہب کی آرٹ میں استعاریت

(عبدالحمید صدیقی)

جب کوئی سطح میں آنکھ عیسائی مبلغین کے کارناموں کو دیکھتی ہے تو یہی سمجھتی ہے کہ خدا ترس اور پاکباز انسانوں کا ایک گروہ ہے جو اپنے خالق اور مالک کی رضا جوئی کے لیے نذہب کی اشاعت کر رہا ہے۔ اس کے ارادے بڑے نیک اور اس کی آرزوئیں اور تمناؤں بڑی ہی پاکیزہ ہیں۔ یہیں خواہ ان کے نقطہ نظر سے اختلاف ہو اور ان کے دین کو بھی ہم صحیح نہ سمجھتے ہوں لیکن ان کے اخلاص کے بارے میں عام طور پر لوگوں کو کوئی شبہ نہیں گذرتا بلکہ ان کی نذہب کے دلالتی و شغلی اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے ہر قسم کا ایثار لوگوں سے خرچ تحسین حاصل کرتا ہے۔

پھر اس معاملہ میں بھی عام انسان غلط فہمی کا شکار ہے کہ یہ لوگ اگرچہ عیسائیت کے مبلغ اور داعی ہیں مگر ان کا نقطہ نظر محدود نہیں۔ ان میں دوسرے مذاہب کے مبلغین کی طرح تنگ نظری و تعصب ناپید ہے۔ یہ پوری نوع بشری کے خادم ہیں۔ ان کے نزدیک مشرقی اور مغربی، گورے اور کالے، ایشیائی یا افریقی کی کوئی قید نہیں۔ ان کی صحبت ہر ذی روح کو اپنی آغوش میں لینے کے لیے تیار رہتی ہے۔ جب کوئی دلھی انہیں پکارتا ہے تو یہ فوراً اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ جب کوئی ضرورت مند اور محتاج ان کی طرف رجوع کرتا ہے تو یہ فوراً اس کی داد دہی کے لیے اس کی طرف لپکتے ہیں۔ الغرض یہ انسانیت کے بے مزد غلام ہیں۔ کوئی دنیاوی غرض اور کوئی نفسانی خواہش ان کے اعمال کا محرک نہیں ہوتی بلکہ ان کے پیچھے صرف ایک ہی جذبہ کام کرتا ہے کہ وہ انسانیت کے دکھوں کا مداوا کریں اور اس طرح اپنے خالق و مالک اور اس کے پیارے بیٹے کی خوشنودی حاصل کریں۔ اسی غرض کے لیے انہوں نے

لے یہ مضمون ڈاکٹر مصطفیٰ خالدی اور ڈاکٹر عمر فروخ کی مشہور عربی تصنیف "النبشیر والاستعمار"

سے ماخوذ ہے۔

MISSIONARIES AND IMPERIALISM

جگہ جگہ سکول، کالج، ہسپتال، یتیم خانے اور محتاجوں کے مراکز قائم کر رکھے ہیں اور ان پر کروڑوں نہیں بلکہ اربوں اور کھربوں روپے سالانہ صرف ہوتے ہیں۔ ان سکولوں اور کالجوں سے، ان شفا خانوں اور یتیم خانوں سے عیسائیوں کے مقابلے میں غیر عیسائی بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

عیسائی مشنریوں کی یہ کارگزاریاں بظاہر نہایت مفید اور قابل قدر ہیں اور اس وجہ سے پوری نوع انسانی ان کی احسانمند اور شکر گزار ہے۔ لاعداد مریضوں کو ان کے شفا خانوں کے ذریعہ شفا حاصل ہوئی ہے، ان گنت بچوں کو ان کی درسگاہوں کے جہالت کی تاریکی سے نکال کر علم کی روشنی میں آباد کیا ہے۔ ان کے مخلج خانوں نے بیچارہ لاوارث بچوں اور بے سہارا لوگوں کو پناہ دی ہے۔ اس کے علاوہ ان مبتلعین میں انسان سیرت و کردار، بے نفسی اور بے غرضی، مستعدی اور حوصلہ مندی، جرأت و اثبات کے بعض بہت اچھے نمونے بھی دیکھ سکتا ہے مگر یہ تبلیغی کا صرف ایک پہلو ہے۔ اس کا دوسرا پہلو بڑا ہی درد انگیز اور انسانی سوز ہے۔

اسی مذہبی تبلیغ اور انسانی اخوت و محبت کی آرٹ میں مغربی استعمار کو دنیا کے مختلف ممالک میں اثر و نفوذ کا موقع فراہم ہوا۔ استعماریت نے جس ملک یا علاقہ کو اپنے ناپاک غرائم کی آماجگاہ بنانا چاہا وہاں سب سے پہلے عیسائی مشن ہی مقدمہ الجیش کی صورت میں داخل ہوئے اور انہوں نے آہستہ آہستہ بڑے لگے بندھے پروگرام کے تحت استعماری حکمرانوں کے لیے راستہ ہموار کیا۔ یہ بیشتر بنظاہر تو مسیحیت کی نشر و اشاعت اور خدمتِ خلق کے دوسرے کاموں میں مصروف نظر آئے مگر انہوں نے پس پردہ جاسوسی کے فرائض سرانجام دیئے۔ عیسائیوں کے یہ مشن مشرقی ممالک میں مغربی استعمار کے سب سے بڑے ایجنٹ ہیں اور استعماری غرائم کی تکمیل میں انہیں ہمیشہ ایک نہایت عمدہ آئینہ کار کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

اب جبکہ مغربی دنیا حالات کے ماتحت اس بات پر مجبور ہو گئی ہے کہ وہ مشرقی ممالک کو سیاسی طور پر آزاد کر دے تو اس وقت یہ عیسائی مشنری مختلف ممالک میں اپنی اپنی قوموں کے استعماری مفادات کی پوری قوت کے ساتھ حفاظت اور پاسبانی کر رہے ہیں۔ ان کے مراکز وہ

لیکن گاہیں ہیں جن میں استعماریت کا دیوا استبداد ٹبری آسانی کے ساتھ چھپ کر بیٹھ سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب امپیریلزم سیاسی اقتدار کی صورت میں مشرق پر اپنا تسلط قائم نہیں رکھتا بلکہ دعوتِ دین اور خدمتِ انسانیت کے نام پر غارتگری کرتا ہے۔

سطورِ بالا میں ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ کوئی ایسی ڈھکی چھپی بات نہیں جس سے لوگ یکسر بے خبر ہوں۔ وہ حضرات جنہوں نے سطح سے نیچے اتر کر ان مسیحی مبلغین کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا ہے وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں۔ اس موضوع پر متعدد کتب، رسالے اور محفلت بھی شائع ہوئے ہیں۔ اس نیم تر عظیم میں پروفیسر باسوں نے اس مسئلہ پر ایک نہایت ہی قابلِ قدر کتاب "ہندوستان میں عیسائی مشنریوں کا عروج" کے نام سے مرتب کی۔ اسی نوع کی ایک نہایت عمدہ کوشش اب حال ہی میں عربی دنیا کے دو نامور اصحاب علم نے "التبشیر والاستعمار فی البلاد العربیہ" میں کی ہے۔ ان حضرات میں ایک ڈاکٹر مصطفیٰ خالدی ہیں جو پہلے بیروت کی امریکن یونیورسٹی میں نائب پروفیسر تھے اور اب نیشنل سکول آف زرننگ کے پرنسپل ہیں۔ دوسرے صاحب ڈاکٹر عمر فریح دمشق میں عرب اکادمی کے رکن ہیں۔ یہ دونوں اصحاب نہ صرف جدید تعلیم یافتہ ہیں بلکہ ان کا ان عیسائی مشنریوں کے ساتھ ساہا سال بڑا اور راست تعلق بھی رہا ہے۔ اس بنا پر ان کے مشاہدات اور تاثرات کو کسی متعصب مذہبی دیوانے کے اوہام سمجھ کر رد نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے اس کتاب میں اپنے نقطہ نظر کو لپدے سے دلائل و ثبوت کے ساتھ پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ اشاعتِ دین کا یہ کام سراسر ڈھونگ ہے۔ اگر مذہب کی محبت ہی ان لوگوں کی جدوجہد کا محرک ہوتی تو پھر بیشترین کے ان گروہوں میں وہ لوگ کبھی شامل نہ ہوتے جو مذہب کی بنیادی تعلیمات تک کے بھی منکر ہیں۔ اس معاملہ کا دلچسپ پہلو یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ ان مبلغین میں بعض وہ لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں جو یا تو اپنی حکومتوں کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر ملک چھوڑ دیتے ہیں یا حکومتِ وقت ان لوگوں کی تخریبی کارروائیوں سے مجبور ہو کر انہیں ملک بدر کر دیتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس قسم کے لوگوں کو نہ تو اپنے ملک سے کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے اور نہ ہی ان حکومتوں کو ان کی سرگرمیوں سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔

مگر یہ عجیب بات ہے کہ جونہی مغضوبین کا یہ گروہ خدمت دین کے کام پر مشرق کی طرف نکلتا ہے تو ان کی ساری تخریبی سرگرمیوں کے باوجود ان پر اپنے اپنے ممالک کی طرف سے لطف و کرم کی بارش ہونے لگتی ہے اور ان باغیوں کی ہر ممکن طریق سے پشت پناہی کی جاتی ہے۔

پھر بعض ممالک ایسے بھی ہیں جو دین کے سخت دشمن ہیں اور مذہب کی تیغ کشی کو ہی اپنے وجود کا واحد مقصد خیال کرتے ہیں مگر غیر ممالک میں تبلیغی سرگرمیوں کو وہ بھی اتنی ہی اہمیت دیتے ہیں جتنی کہ مذہب نواز ممالک۔ یہ ایک عجیب تضاد ہے کہ جو تو میں اپنے اندر مذہب کے وجود کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتیں اور اسے ہر طرح سے مٹانے کے درپے رہتی ہیں وہ ملک کی چار دیواری کے باہر دین کی سب سے بڑی حامی اور ناصر بن جاتی ہیں۔ چنانچہ دیکھیے کہ روس جیسے مذہب کش ملک نے دوسری جنگ عظیم کے بعد اپنے اثر و نفوذ کو دوسرے ممالک میں بڑھانے کے لیے ماسکو میں ایک مذہبی کانفرنس منعقد کی جس کو خود اسٹالن نے شرکت کا اعزاز بخشا۔ اس موقع پر یہ طے کیا گیا کہ اقطاب عالم میں اور خصوصاً دنیا سے اسلام میں روس کو اپنی تبلیغی سرگرمیاں منظم طریق پر شروع کرنی چاہئیں اسی طرح جنرل بیگ نے بھی حکومت برطانیہ کو اس بات کا مشورہ دیا کہ وہ جزیرۃ العرب میں مسیحیت کی نشر و اشاعت کے لیے کوئی اعلیٰ پروگرام بنائے۔ اس پروگرام کے طے ہو جانے کے بعد مختلف قسم کے لوگ مختلف غور و فکر اور مقاصد کے ساتھ اس کام کے لیے اپنے گرووں سے نکل پڑے۔ بعض محض مہم جوئی کے خواہشمند تھے، بعض ان مہمات کو اپنے ذاتی افکار و نظریات و دوسروں تک پہنچانے کا موثر ذریعہ سمجھتے تھے۔ ان میں کافی تعداد ان لوگوں پر مشتمل تھی جو اپنے ملک میں نہایت ہی ناکام اور نامراد تھے اور اس وجہ سے انہوں نے دوسرے ممالک کا رخ کیا۔ ان حضرات کی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے کوئی شخص یہ باور نہیں کر سکتا کہ ان کے پیش نظر اشاعت دین ہے۔ ان میں بسا اوقات ایسے لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں جو شرافت و اخلاق سے قطعاً عاری ہیں اور اپنی کمینہ حرکات کی وجہ سے ان کا وجود مذہب کے مفید ہونے کے بجائے انتہائی مضرت رساں ثابت ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف مخلص نصاریٰ نے ایک رسالہ "العصبة الاندلسیة" میں بڑے واضح الفاظ میں کیا ہے۔ اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ پورٹوگال میں

نقطہ نظر سے انسانیت کو بہت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ان حضرات کا دوسرے ممالک میں اقامت پذیر ہونا مذہب کے لیے نہایت مہلک ہے۔ ایک ایسا شخص جو اخلاقی اعتبار سے انتہائی پست ہے وہ اگر ماہر تعلیم ہو یا اپنے عمل و فعل کی بنا پر ایک تاریخی شخصیت بھی بن جائے مذہبی نقطہ نظر سے وہ کسی طرح مفید اور کارآمد نہیں ہو سکتا۔ اخلاق مذہب کی جان ہے، مذہب اس وقت تک زندہ رہے گا جب تک لوگ اخلاقی لحاظ سے بلند ہوں گے۔ اخلاق کا زیاں مذہب کی موت ہے۔ اس لیے اشاعتِ دین کا کوئی ادارہ اخلاق سے عاری لوگوں کو کبھی بھی اپنانے پر تیار نہیں ہوتا۔ مگر ان عیسائی مشنریوں کا معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ مبشرین کے یہ ادارے اپنے نمائندوں کے محبوب اور حامیوں کو جانتے بوجھتے ہی ان کی مدح و ستائش کرتے چلے جاتے ہیں۔ دنیا کے مختلف رسائل و جرائد اور اخبارات میں ان کی تعریف و توصیف ہوتی ہے اور ان کی تصاویر شائع کی جاتی ہیں اور ہر ممکن طریقے سے لوگوں کے ذہنوں میں اس بل خیال کی آبیاری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے فضائل سے نہ صرف آشنا ہیں بلکہ وہ ان کے عملی نمونے بھی ہیں۔ ان لوگوں کی اصول پسندی کا یہ عالم ہے کہ جب تک ان کے مفادات کیتھولک گروپ سے وابستہ رہتے ہیں تو یہ اس کے پرجوش مبلغ ہوتے ہیں اور جب یہ مفاد دوسری طرف نظر آتے ہیں تو فوراً پروٹسٹنٹ کی طرف لپک جاتے ہیں۔ پادری جیسیپ اسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

«عیسائی مشنریوں کا اخلاقی اعتبار سے اس حد تک گر گئے ہیں کہ ان کے واقعات بیان کرنے ہوئے سخت مذمت محسوس ہوتی ہے۔ چند دنوں کی بات ہے کہ روم کے ایک ممتاز گھرانے کی دو لڑکیاں ان لوگوں نے اغوا کر لیں۔ سراغ لگانے والوں نے پتہ کر کے متعلقین کو خبر کر دی۔ انہوں نے ان کی اس مذموم حرکت پر بڑی لعن طعن کی»

مصنف مذکورہ اسی قسم کے اور بہت سے گھناؤنے الزام عائد کرنے کے بعد لکھتا ہے:

«یہ کلیسائی نظام ایک لعنت ہے جس کی وابستگی انسانوں کو مفاد پرست اور ہوا و بوس کا غلام بنا دیتی ہے بعض گرجے تو فحاشی اور بدکاری کے مخفی اڈے ہیں؟»

ان سب خامیوں اور خرابیوں کے باوجود جس بات میں تمام عیسائی ممالک ایک دوسرے کے ہم نوا ہیں وہ عرب اور اسلام دشمنی ہے۔ یہ دشمنی دلوں میں اس قدر راسخ ہو چکی ہے کہ اسے آسانی سے نکالا نہیں جاسکتا۔ یہ ایک تاریخی عناد ہے جس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ صلیبی جنگوں نے اس دشمنی میں مزید شدت پیدا کر دی ہے۔ اس وقت سے مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں۔

بعض انجان ابھی تک یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان عداوت کی اصل وجہ صرف مذہبی اختلافات ہیں یا اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اختلافات بھی ان دو قوموں کے درمیان بنائے نزاع ہیں جنہیں کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا مگر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ ان نظریاتی اختلافات کے علاوہ ان دونوں اقوام کی باہمی آذیتوں کا اصلی سبب مسلمانوں کی سیاسی طاقت و اقتدار ہے۔ جرمن منشترق کارل بیکر اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے:

”قرونِ وسطیٰ میں جب اسلام کی نشر و اشاعت شروع ہوئی تو یہ چیز نصرانیت کے لیے سخت باعثِ تکلیف ثابت ہوئی عیسائیوں کو دینی اور اقتصادی لحاظ سے بہت نقصان پہنچا۔ اسلام کے اثرات مفتوحہ علاقوں سے نکل کر دور دور تک پھیلنے لگے۔ یہ صورتِ حال مسیحیت کے پرستاروں کے لیے موجبِ اذیت تھی۔ یہیں سے مسلمانوں کے خلاف نفرت و دشمنی کے داغ بیل پڑی جو بعد میں مختلف حالات کے تحت پھولتی پھلتی رہی۔“

قریب قریب اسی خیال کا اظہار ایک اور منشترق گارڈ فرزنہ بھی کیا ہے۔ یورپ اسلام کے اس غلبہ اور ترقی کو ٹھنڈے پٹیوں کیونکر قبول کر سکتا تھا۔ اس لیے یورپ کی مختلف سلطنتوں نے ایک منظم طریق سے اسلام کو شکست دینے کے منصوبے تیار کیے جہاں تہلری اور جیاری سے کام لکنا ہوا دکھائی دیا وہاں مسلمانوں پر جبر و استبداد کے پہاڑ توڑے گئے اور جہاں عیاریوں اور چالبازیوں سے مسلمانوں کو زدک دینا ممکن ہوا وہاں ان طریقوں کو بلا تکلف استعمال کیا گیا اور جس جگہ یہ صورت ممکن نہ تھی وہاں بدترین کے گروہ بھیج دیئے گئے تاکہ وہاں نذہب اور دین کے نام پر ان لوگوں کو مسخر کیا جائے۔ ان مبلغین نے اپنے ان ناپاک مقصد کے حصول کے لیے بڑی حکمت و دانائی سے کام لیا۔ مسلمانوں کے اندر فروعی اختلافات کو ابھارا تاکہ ان کی ملت

کا تیسرا نمبر مشہور مشرق لائنس برائون اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”مسلمانوں کا اتحاد دنیا کے لیے خطرہ کی گھنٹی ہے اگر یہ منتشر رہیں تو یہ بے وزن ہونگے

اور ہمارے لیے مفید بھی بن سکیں گے“

اسی طرح سائمن نے اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے اس بات کو ذرا کھل کر ان الفاظ میں یوں بیان کیا:

”وحدت اسلامی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے مسلمانوں کی تمام امیدیں برآ سکتی ہیں مگر

یہ چیز یورپین غلبہ و اقتدار کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے جسے دور کرنے کی انہیں ہر وقت

فکر کرنی چاہیے“

عیسائی مبشرین بظاہر وحدت اسلامی کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ اس کی تائید و حمایت کے لیے

کبھی کبھی طویل مقالات بھی شائع کرتے رہتے ہیں لیکن ان کی برابر یہ کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں

کو بے دین بنا یا جاسکے۔ یہ حضرات اس امر سے پوری طرح واقف ہیں کہ مسلمانوں کے اندر قوتِ رابطہ صرف

اسلام ہے۔ اس کی مقناطیسی کشش ہی انہیں ایک دوسرے سے جوڑ سکتی ہے اور اگر یہ درمیان سے

بٹ جائے تو پھر مسلمانوں کو کوئی چیز باہم مربوط نہیں کر سکتی۔ ان لوگوں کو اصل خطرہ مسلمانوں کی وحدت

سے نہیں بلکہ اسلام سے ہے۔ چنانچہ دیکھیے کہ ”انسانیت کے ان خادموں نے مسلمانوں کی مذہبی

تحریکات کو کچلنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔

یورپ کے مرویہا یعنی ترکی سے مغربی استعمار کو آخر کیا خطرہ ہو سکتا تھا لیکن جب یہاں بنی بنیاد

پر وحدتِ قومی کا نعرہ بلند ہوا اور سنوسی مذہبی گروہ نے سراٹھایا اور اس بے سرو سامانی کے باوجود مغربی

استعمار کی بڑھتی ہوئی لیٹار کو روکنے کی کوشش کی تو اس وقت تمام عیسائی ممالک میں ایک کھلبلی مچ گئی اور

یہ بیچارہ ترکی ان کے لیے ایک عظیم خطرہ بن گیا۔ یہ خطرہ کچھ اس وجہ سے نہ تھا کہ ترکی ایک مسلمان ملک ہے

بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ترکی اسلام کی بنیاد پر ایک وحدت بن کر ابھر رہا تھا اور اس نے دنیا کے مسلمانوں

کی ہمدردیاں بھی حاصل کر لی تھیں۔

اسی طرح چین میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اتحاد کو دیکھ کر چالاک عیسائیوں نے دستِ بکا

ما تخریجاً یا تو سموئیل مبلغ نے ان نصرانیوں کو جنہوں نے یہ حرکت کی تھی بندل قرار دیتے ہوئے انہیں اس باز رکھنے کی کوشش کی۔ حالانکہ یہ دوستی حقیقی دوستی نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی۔ کوئی عیسائی بھی صلیبی جنگوں کی تجاویز فراموش نہیں کر سکتا۔ بلکہ مختلف مذاہب سے ان تلخیوں کو ذہن میں محفوظ رکھنے کی پوری پوری کوشش کی جاتی ہے۔ پوپ شانٹور مشن کالج بیروت کے پرنسپل نے اپنی حکومت کو اس سلسلہ میں یہ مشورہ دیا ہے کہ ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جس میں ملحد پاپا یہ مبلغین تیار کر کے دنیا کے مختلف گوشوں میں بھیجے جائیں جہاں وہ صلیبی جنگوں کی یاد کو ذہنی طور پر تازہ رکھنے کی سعی کریں اور اس سے پیدا شدہ جذبات کو اپنے کام میں لائیں۔ پوپ شانٹور ایک نامور مذہبی شخصیت ہے۔ اس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ عیسائی سیاست کا آئینہ دار ہے۔ کوئی حکمران اس کی مرنی کے بغیر تخت اقتدار پر متمکن نہیں رہ سکتا۔ استعماری طاقتیں ان کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ ان کی عظمت کے مطابق ان کے مشورہ کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ان بیانات اور واقعات کو پڑھنے کے بعد کسی کو اس بات میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ان مبلغین کے پیش نظر صرف سیاسی قوت و اقتدار ہے مذہبی تبلیغ تو محض ایک فریب ہے جس کی آڑ میں مشرقی اقوام کا شکار کیا جا رہا ہے۔

مبلغین کی اقترا پروازیاں | ان مبلغین نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو منصوبہ تیار کیا ہے اس کا دوسرا جزو تعلیماتِ انہی اور حضورِ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مختلف قسم کی گراہیاں پھیلانا اور الزامات تراشنا ہے۔ ان لوگوں کی ذہنی کجی کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے۔ یورپ میں ایک دفعہ میری چند ماہرینِ مذہب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ مذہبی مسائل پر تبادلہ خیالات کیا جائے۔ میں نے ان کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے ان کی اس تجویز کو منظور کر لیا۔ وہ دوسرے دن وقت مقررہ پر تشریف لائے اور گفتگو کا آغاز کسی دینی مسئلہ کی بجائے ایک اسلامی رسالہ کے مصنف سے کیا اور اس پر مختلف قسم کے اعتراضات کر کے بحث شروع کر دی مجھے ان کا یہ طریقہ ناگوار گزارا اور ان سے کہا کہ جب آپ دینی مسائل پر گفتگو کے لیے تشریف لائے ہیں تو کسی اہم مسئلہ کو سامنے رکھ کر اس پر تبادلہ خیالات کیجیے۔ اگر آپ کو مسئلہ کے تعین میں کوئی

وقت ہے تو میں متعین کیے دیتا ہوں۔ رسالت محمدی کا مسئلہ خاصا اہم ہے اس پر بات چیت کر لی جائے۔ اس پر ایک شخص نے بڑے مغرورانہ انداز میں کہا: ”آپ علی آدمی معلوم ہوتے ہیں، ایسے مسئلہ پر گفتگو کریں جو علمی اور عقلی طور پر ثابت کیا جاسکے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کو مسلمان محض جذبات سے مغلوب ہو کر تسلیم کرتے ہیں۔ اس لیے آپ جیسے شخص کو ایسے مسئلہ پر اظہارِ خیال سے اجتناب کرنا چاہیے۔ یہ چیز آپ کے مرتبہ سے (معاذ اللہ) فرود تر ہے۔ میں چونکہ جانتا تھا کہ منطقی دلائل ان کے لیے بالعموم مفید ثابت نہیں ہوتے اس لیے میں نے بات کاٹتے ہوئے صرف اتنا کہا ”ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اسی طرح ایمان لاتے ہیں جس طرح آپ لوگ حضرت عیسیٰ کو خدا تسلیم کرتے ہیں۔“ اس پر وہ حیران سے ہو گئے اور بات ختم ہو گئی۔

یہ عیسائی مبلغین اسلام کے متعلق جو رائے رکھتے ہیں اس کی چند مثالیں بھی ملاحظہ ہوں:

مسلمانوں اور عربوں کا ایک بہت بڑا دشمن لیغونیان لکھتا ہے: ”مسلمان ایک جاہل قوم ہے جو خدا کے بارے میں تخریب کا عقیدہ رکھتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو انسانی صفات جسم، ناک، ہاتھ وغیرہ سے میرا قرار دیتی ہے۔“ اسی طرح کی ایک مضحکہ خیز بات مشہور مبلغ نسن نے کی ہے۔ اس کا بیان ہے: ”اسلام بذاتِ خود کچھ بھی نہیں۔ اس میں اگر کوئی خوبی ہے تو وہ نصرانیت سے ماخوذ ہے۔ اس کے علاوہ اس میں جو کچھ ہے وہ بت پرستی ہے جسے ہو بہو یا تھوڑی سی ترمیم کے بعد اسلام میں شامل کر لیا گیا ہے۔“ ایک اور بڑے مبلغ جان ٹاکل کا کہنا ہے: ”اب ہمیں مسلمانوں کی کتاب مقدس و قرآن حکیم کی خدمت کرنی چاہیے کیونکہ یہ اسلام کا سب سے زیادہ نیر اور موثر مستحیاری ہے۔ یہیں لوگوں کو بتانا چاہیے کہ قرآن مجید میں جو باتیں صحیح ہیں وہ سب کی سب پرانی اور دوسرے مذاہب سے اخذ کردہ ہیں اور نئی باتیں ساری کی ساری غلط اور بے بنیاد ہیں۔“ ایک اور مبلغ اپنی تحقیق کے لو اور اس طرح پیش کرتے ہیں: ”اسلام کا دار و مدار ایسی احادیث پر ہے جن کا ماخذ قرآن ہے لیکن جب ہم جھوٹی احادیث چھانٹ کر الگ کر دیں تو دین اسلام میں باقی کچھ نہیں رہتا۔ اس کی حیثیت نمر ہندی (ارملی) کی سی ہے جس کا بیج اگر نکال دیا جائے تو وزن ختم ہو جاتا ہے۔“

ان اقتباسات کو جن کی حیثیت مشتے نمونہ از خروارے کی سی ہے ذرا مطالعہ فرمائیں اور دیکھیں کہ اسلام کے متعلق کس قسم کی گویا افشانیوں کی جا رہی ہیں۔ اب ایک نظر عقلیت کے ان موعودوں کے چند قرآنی نکات پر بھی ڈال لیجیے۔ فریڈرک بلس قرآن مجید پر اعتراضات کرتے ہوئے کہتا ہے کہ قرآن نے مریم والدہ عیسیٰ علیہ السلام اور مریم عمران کی بیٹی موسیٰ و ہارون کی بہن کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے: يَا أُخْتُ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْجٍ وَمَا كَانَتْ أُمَّكَ لَبِئْسَ مَا كَانَتْ يَفْعَلُ الرَّءِيسُ مَا رَوَىٰ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ سَأَلُوهُ مَنْ هِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمَا كَانَتْ تَفْعَلُ مَا كَانَتْ تَفْعَلُ (قرآن کریم کی اس آیت پر بلس صاحب فرماتے ہیں: حضرت مریم ام عیسیٰ (علیہ السلام) حضرت ہارون کی بہن کس طرح ہو سکتی ہیں جبکہ ان کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ سو برس پہلے کا ہے۔ بلس صاحب کا علم و فضل دیکھیے کہ وہ اس معمولی سی بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہاں قرآن ایک کنایہ سے کام لے رہا ہے جس میں ام عیسیٰ مریم کو حضرت اود پاکدامنی میں عمران کی بیٹی اخت ہارون سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ ہم کسی شخص کی تعریف میں کہہ دیتے ہیں

لے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اس مقام کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

ان الفاظ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ انہیں ظاہری معنی میں لیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ حضرت مریم کا کوئی بھائی ہارون نامی ہو۔ دوسرے یہ کہ عربی محاورے کے مطابق اخت ہارون کے معنی ہارون کے خاندان کی لڑکی سے لے جائیں۔ کیونکہ عربی میں یہ ایک معروف طرز بیان ہے۔ مثلاً قبیلہ مضر کے آدمی کو یا اخصامض (اسے مضر کے بھائی) اور قبیلہ ہمدان کے آدمی کو یا اخصامدان (اسے ہمدان کے بھائی) کہہ کر پکارتے ہیں۔ پہلے معنی کے حق میں دلیل تزییح یہ ہے کہ بعض روایات میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معنی منقول ہوئے ہیں اور دوسرے معنی کی تائید میں دلیل یہ ہے کہ موقع و محل اس معنی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ اس واقعہ سے قوم میں ہیجان برپا ہوا تھا۔ اس کی وجہ بظاہر یہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہارون نامی ایک گناہم شخص کی کنواری بہن کو دیکھ کر ایسے ہوئے آئی تھی بلکہ جس چیز نے لوگوں کا ایک ہجوم حضرت مریم کے گرد جمع کر دیا

یا اھا العرب (آے عربی بھائی)۔ حالانکہ اس شخص سے ہمارا کوئی خون کا رشتہ نہیں ہوتا۔

اسی طرح کی قرآن دانی کا ایک دوسرا شاہکار بھی ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر اڈولف ہینرمارو، جو فلسفہ کے ڈاکٹر ہیں، انتہی باہم انکاری اور انتہی باہم عادی میں کوئی تمیز نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اس آیت اَفَا نَسُوا نَفْسَ الْاِنْسَانِ حَتَّىٰ يَكُوْنُوا مُّوْمِنِيْنَ (پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کر سے کہ وہ مومن ہو جائیں)۔
دبانی ص ۳۱۔

تھا وہ یہی ہو سکتی تھی کہ بنی اسرائیل کے مقدس ترین گھرانے، خاندانہ ہارون کی لڑکی اس حالت میں پائی گئی۔ اگرچہ ایک حدیث مرفوعہ کی موجودگی میں کوئی دوسری تاویل قابلِ لحاظ نہیں ہو سکتی، لیکن مسلم، نسائی، ترمذی وغیرہ میں یہ حدیث جن الفاظ میں نقل ہوئی ہے اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ ان الفاظ کے معنی لازماً ہارون کی بہن ہی ہیں۔ مغیرہ بن شعبہ کی روایت میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ خیران کے عیسائیوں نے حضرت مغیرہ کے سامنے یہ اقراض پیش کیا کہ قرآن میں حضرت مریم کو ہارون کی بہن کہا گیا ہے حالانکہ حضرت ہارون ان سے سینکڑوں برس پہلے گزر چکے تھے۔ حضرت مغیرہ ان کے اس اقراض کا جواب نہ دے سکے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ ماجرا عرض کیا۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ تم نے یہ جواب کیوں نہ دے دیا کہ بیچ اسرائیل اپنے نام انبیاء اور صلحاء کے نام پر رکھتے تھے۔ حضور کے اس ارشاد سے صرف یہ بات نکلتی ہے کہ لاجواب ہونے کی بجائے یہ جواب دے کر اقراض رنح کیا جاسکتا تھا۔ (ترجمان القرآن جلد ۲۹ عدد ۱)

لے نامناسب نہ ہو گا اگر ہم یہاں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تصریح مدح کر دیں:

”اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو زبردستی مومن بنانا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا کرنے سے روک رہا تھا۔ دراصل اس فقرے میں وہی انداز بیان اختیار کیا گیا ہے جو قرآن میں بکثرت مقامات پر بھی ملتا ہے کہ خطاب تو بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے مگر اصل میں لوگوں کو وہ بات سنانی مقصود ہوتی ہے جو نبی کو خطاب کر کے نرمائی جاتی ہے۔ یہاں جو کچھ کہنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ لوگو! محبت اور دلیل سے ہدایت و منڈالت کا فرق کھول کر رکھ دینے اور باہر راست صاف دکھا دینے کا جو حق تھا وہ تو ہمارے نبی نے پورا پورا ادا کر دیا ہے۔ اب اگر تم خود راستہ رو رہا تھے“

مذہب کی آرٹ میں استعماریت

(بقیہ صفحہ ۳۱۹)

میں استفہام انکاری کو استفہام عادی سمجھتے ہوئے اس کی عجیب و غریب توجیہ کی ہے۔ عربی زبان سے واقفیت رکھنے والا انسان تو کیا کسی زبان کا ستھرا ذوق رکھنے والا شخص بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہاں جو استفہام استعمال ہوا ہے وہ انکاری نہیں بلکہ عادی ہے۔ یہ انداز بیان عام بول چال میں بھی بکثرت اختیار کیا جاتا ہے جیسے "الاتحب ان نکون من الٹاجین" کیا تم کامیاب ہونے والوں میں شامل ہونا پسند نہیں کرتے۔

یہ چند مثالیں ان حضرات کے مبلغ علم اور ان کی افترا پردازیوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے کافی ہیں۔

(باقی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۹)

بننا نہیں چاہتے اور تمہارا سیدھی راہ پر آنا صرف اسی پر موقوف ہے کہ کوئی تمہیں زبردستی راہ راست پر لائے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ نبی کے سپرو یہ کام نہیں کیا گیا ہے۔ ایسا جبری ایمان اگر اللہ کو منظور ہوتا تو اس کے لیے اُسے نبی بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ کام تو وہ خود جب چاہتا کر سکتا تھا۔

(ترجمہ القرآن جلد دوم صفحہ ۳۱۹)